عمل ہیں۔ ابتدائی درجے میں علمی و تحقیقی کام قبل ازیں شعبۂ تصنیف و تالیف اور شعبہ مطبوعات کے تحت بھی ہو رہا تھا جس کے لئے میدان ہموار کرنے کی خاطر شعبہ تدریس اپنا رول عمدگی سے ادا کر رہا ہے‘ لیکن ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ علمی و تحقیقی کام کے لئے ایک علیحدہ بھرپور شعبہ تشکیل دیا جائے جو قرآن اکیڈمی کے تکمیلی مقاصد کے لئے مؤثر انداز میں کام کرے۔ بحمد اللہ پچھلے دنوں اس شعبے کے لئے ضروری وسائل مہیا ہونے پر‘ جن میں اہم ترین معاملہ مناسب افراد کی دستیابی کا تھا‘ شعبہ تحقیقات اسلامی کے نام سے اس شعبے کا قیام عمل میں آ گیا ہے جس کی ضرورت کا احساس بہت پہلے سے تھا‘ اور جس کے بغیر قرآن اکیڈمی کا تصور ادھورا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ شعبہ اسلام اور قرآن کے حوالے سے علمی تحقیق کا کام وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر اس طور سے انجام دے سکے کہ دین کی حقیقی روح کسی پہلو سے بھی مجروح نہ ہو اور عالمی سطح پر احیاءِ اسلام کے ہمہ گیر کام کی راہ بھی اس کے ذریعے سے ہموار ہو سکے۔

ذیل میں شعبہ تحقیقات اسلامی کے اغراض و مقاصد کا وہ اجمالی خاکہ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے جو شعبہ کے قیام کے موقع پر بطور ہدف مرتب کیا گیا۔ رفقاء و احباب میں سے جو بھی اس شعبے سے دلچسپی رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ فکری یا عملی وابستگی کے خواہش مند ہوں وہ قرآن اکیڈمی میں شعبہ تحقیقات اسلامی کے انچارج برادرم حافظ عاطف وحید صاحب سے رجوع کریں۔

(ا) بحث و تحقیق:

یہ اس شعبے کا سب سے نمایاں اور ہدف کے اعتبار سے سب سے بلند کام ہے۔ اس کے ذیل میں دعوت اسلامی کا وہ عظیم کام مقصود ہے جسے قرآنی الفاظ میں ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ ...﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی امت کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقے کو حکمت قرآنی کے ذریعے دین کی دعوت پہنچائی جائے اور دین کی حقانیت اور فکرِ اسلامی کے علوّ کو ہدایتِ قرآنی کی روشنی میں مؤکد اور مدلل انداز میں پیش کیا جائے۔ اس مقصد تک رسائی کے لئے اُن لادینی اور ملحدانہ نظریات کا مؤثر اور مدلل ابطال بھی ضروری ہے جو جاہلیت جدیدہ اور جاہلیت قدیمہ کی صورت میں آج کے انسان کو آسمانی ہدایت سے دور کرنے اور عقیدہ و عمل کے زوال کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ ہمارے تجزیے کے مطابق متذکرہ بالا جاہلیت ہائے قدیمہ و جدیدہ چونکہ آج مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے عقیدے کو مسموم اور علومِ معاشرت و معیشت و سیاست کو الحاد‘ مادہ پرستی اور ہوس پرستی سے

© rasailojaraid.com

آلودہ کئے ہوئے ہیں' لہٰذا ان کا رد کئے بغیر نہ احیاءِ اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس خاطر کی جانے والی مساعی مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں۔

(۲) اسلام کے انقلابی فکر کی تشریح وتوضیح:

ہم یعنی وابستگان انجمن خدام القرآن وتنظیم اسلامی' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہٗ کی اُس انقلابی فکر کے امین ہیں جو احیاءِ دین اور تجدید دین کے حوالے سے اب ایک مکمل نظریے کے طور پر جانی پہچانی جاتی ہے۔ دورنبوی ﷺ اور دور خلافتِ راشدہ میں دین کا انقلابی یا حرکی پہلو اصلاً اسی انقلابی تحریک کا نام تھا جو نبی اکرم ﷺ اور انکے صحابہؓ نے برپا کی اور جسکے نتیجے کے طور پر وہ اسلامی ریاست وجود میں آئی جو انسانیت کے لئے اجتماعی سطح پر شرف وحجت کا باعث بنی۔ البتہ اس کے بعد رفتہ رفتہ اسلام کے سیاسی زوال کے نتیجے میں یہ انقلابی فکر یا دین کا یہ حرکی تصور نہ صرف مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل اور ذہنوں سے محو ہوتا چلا گیا بلکہ اس کے عدم وجود کے سبب اسکا التزام ایک اضافی بلکہ غیر ضروری تصور بن گیا۔ اسلام کے اس انقلابی فکر کو حیاۃِ نو نصیب ہوئی پچھلی صدی کے دوران جب عالم اسلام پر سے بلاواسطہ استعماریت کا خاتمہ قریب ہوا اور اسلام سیاسی اعتبار سے زوال کی انتہا کو پہنچ کر ایک مرتبہ پھر سر اٹھانے کے قابل ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب برصغیر کے مسلمانوں میں احیاءِ اسلام کی روح بیدار کرنے کے لئے اللہ نے اس خطے میں کئی نابغہ شخصیات پیدا کیں۔ اِن میں فکرِ اسلامی کی تجدید نو اور اسلام کے بحیثیتِ دین احیاء کے حوالے سے علامہ محمد اقبال اور مسلمانوں کی حریت وآزادی اور اسکی عملی تگ ودو کے حوالے سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا نام سرفہرست ہے۔ اِن مشاہیر اور اِن جیسے دوسرے اکابرین نے اسلام کے محدود مذہبی تصور کی نفی کرتے ہوئے مسلمانانِ برصغیر کو ''اسلام بطور دین'' اور ''اسلام بطور مکمل ضابطۂ حیات'' کا درس دیا۔ یہ وہ انقلابی تصورِ اسلام ہے جو انسانی زندگی کے انفرادی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اجتماعی گوشوں پر بھی محیط ہے۔ یہی وہ انقلابی فکر ہے جسے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہٗ نے سابقہ نصف صدی سے زائد عرصہ کے دوران نہ صرف مُلک کے کونے کونے میں' بلکہ زمین کے طول وعرض میں بھی دعوت قرآنی اور حکمت قرآنی کی ترویج کے ذریعے پھیلایا ہے' عام کیا ہے' اور ہر دردِ دل رکھنے والے کو اس کی طرف پکارا ہے۔ اب یہ فکر اس بات کی متقاضی ہے کہ بڑی تعداد میں اس کے علمبردار پیدا ہوں' اسے آگے

(باقی صفحہ 26 پر)

مطالعہ قرآن حکیم

منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں
قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت
اُمُّ المُسَبِّحات: سورۃ الحدید
(۱۳)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝﴾ (آیات ۱۸، ۱۹)

سورۃ الحدید کی آیات کو ہم نے بغرضِ تفہیم جن مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے انہیں پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے! پہلی چھ آیات حد درجے جامعیت کے ساتھ اور بلند ترین علمی سطح پر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مباحث پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد کی پانچ آیات میں اللہ تعالیٰ کے بندۂ مؤمن سے دو مطالبے دو اصطلاحات (ایمان اور انفاق) کے حوالے سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ آیت ۷ میں ارشاد ہوا: ”ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے (ہمارے لئے

© rasailojaraid.com

لگا دو‘ کھپا دو) خرچ کر دو!‘‘ اور پھر یہ کہ اگر دونوں مطالبات کے ضمن میں کوئی ہچکچاہٹ ہے‘ کوئی کمی و تقصیر ہے تو ایک ایک آیت میں ملامت اور زجر کے انداز میں گرفت کی گئی اور ایک ایک آیت میں ترغیب و تشویق اور حوصلہ افزائی کا انداز اختیار کیا گیا۔ اگلی چار آیات میں میدانِ حشر کے اِس مرحلے کا نقشہ کھینچا گیا جس میں ایک چھلنی لگائی جائے گی کہ دنیا میں جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں ان میں کون واقعتاً صاحب ایمان ہیں‘ چاہے ان کے پاس ایمان کم ہو یا زیادہ‘ اس کی گہرائی اور اس کی وسعت کم ہو یا زیادہ۔ جن کے پاس کچھ بھی ایمانِ حقیقی موجود ہوگا انہیں وہاں ایک نور عطا ہوگا اور اس نور کی مدد سے وہ اس سخت ترین مرحلے کو‘ جسے ہم اپنی عام زبان میں پل صراط کہتے ہیں‘ عبور کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جبکہ جو منافق تھے‘ ایمان سے سرے سے خالی تھے‘ ان لوگوں کو نور نہیں ملے گا‘ وہ ٹھوکریں کھاتے ہوئے وہیں رہ جائیں گے اور جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس طرح حقیقی اہل ایمان اور منافقین کے مابین تقسیم اور تفریق ہو جائے گی۔ اسی کے ذیل میں پھر وہ مکالمہ ہے کہ پیچھے رہ جانے والے منافقین کامیاب ہو جانے والے اہل ایمان کو پکار کر کہیں گے: ﴿اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ﴾ ’’کیا ہم (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے؟‘‘ اور اس کے جواب میں قرآن حکیم کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان سے ’’راہِ نفاق‘‘ کے سنگ ہائے میل نمایاں ہو جاتے ہیں کہ نفاق کی حقیقت کیا ہے؟ نفاق کا سبب کیا چیز بنتی ہے؟ منافق نفسیاتی اعتبار سے کن کن مراحل اور مدارج سے گزر کر اس کی تیسری سٹیج تک پہنچتا ہے‘ اور پھر اس کا آخری انجام کیا ہے۔ یعنی وہ مضامین جو سورۃ المنافقون کی آٹھ آیات میں بیان ہوئے ہیں‘ یہاں دو آیتوں کے اندر اُن کا نقشہ کھینچ دیا گیا۔ اس کے بعد چوتھے حصے میں‘ جیسے کہ میں نے عرض کیا تھا‘ سلوکِ قرآنی بیان ہوا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہ ڈائیگرام ملاحظہ کیجئے۔ صالحین‘ صدیقین‘ شہداء اور نبوت و رسالت جیسی اصطلاحات پر اگرچہ کافی گفتگو ہو چکی ہے‘ لیکن میں چاہتا ہوں کہ بات مزید واضح ہو جائے‘ اس لئے کہ یہ وہ مضامین ہیں کہ شاذ ہی لوگوں نے ان سے بحث کی ہے: (ڈایاگرام اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

سلوکِ قرآنی

سورۂ حدید کی آیات ۱۶ تا ۱۹ کی روشنی میں !

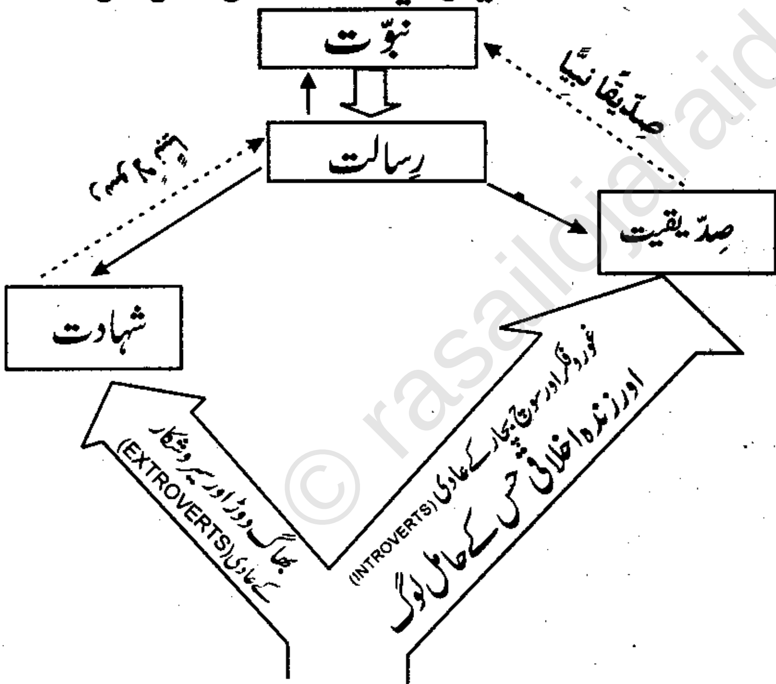

آیت ۱۸: کثرتِ صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے دل سے دنیا اور مال کی محبت کا ازالہ

صَالِحین

نتیجہ: اصلاح کا ارادہ (مُرید) اور عمل کا عزمِ مصمّم !

آیت ۱۷: اصلاحِ حال اور آمادۂ عمل ہونے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی

آیت ۱۶: نسلی، روایتی، غافل اور بے عمل مسلمانوں کو تنبیہہ و ملامت
خاص طور پر سابقہ اُمّت مسلمہ کے انجام سے سبق حاصل کرنے کی ترغیب

© rasailojaraid.c

اس چارٹ کو سمجھنے کے لئے نیچے سے اوپر چلئے ۔ آیت نمبر ۱۶ ہے:

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾

اس آیت کا حاصل ہے: ''نسلی' روایتی' غافل اور بے عمل مسلمانوں کو تنبیہہ اور ملامت۔ خاص طور پر سابقہ اُمتِ مسلمہ کے انجام سے سبق حاصل کرنے کی ترغیب''۔

پھر اگر اپنے باطن میں جھانکو اور محسوس کرو کہ حقیقتِ ایمان تو ہمیں حاصل نہیں تو مایوس نہ ہو جاؤ۔ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ (آیت ۱۷) گویا اس آیت کا حاصل ہے: ''اصلاحِ حال اور آمادۂ عمل ہونے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی''۔ اس میں حوصلہ افزائی بھی ہے' ترغیب بھی ہے' تشویق بھی ہے کہ کمر ہمت کسو' ارادہ کرو!

اس کا جو نتیجہ ہے وہ اب تیسری لائن میں ہے: ''اصلاحِ حال کا ارادہ اور عمل کا عزمِ مصمم''۔ ارادہ کے بعد بریکٹ میں لفظ ''مُرِیْد'' لکھا ہے۔ اصل میں یہ اَرَادَ' یُرِیْدُ' اِرَادَۃً (بابِ افعال) سے اسم الفاعل ہے' یعنی ''ارادہ کر لینے والا''۔ گویا کہ ان دونوں آیات (۱۶' ۱۷) کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کے اندر ارادہ اور عمل کا عزمِ مصمم پیدا ہو جائے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ جو حضرات بھی اس حلقۂ درس میں شرکت فرما رہے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت تک پہنچا دیا ہو اور وہ ایک عزمِ مصمم کر لیں کہ دین کے جو بھی تقاضے اور مطالبات ہیں وہ ان کو ادا کریں گے۔

اب اس سے اوپر آیئے! آیت نمبر ۱۸ کے الفاظ ہیں: ﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴾ اس آیت کا حاصل ہے: ''کثرتِ صدقہ وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے دل سے دنیا اور مال کی محبت کا ازالہ''۔ یہی نجاست ہے' اور اس کو اگر دور نہیں کریں گے تو قربِ الٰہی کی منازل طے نہیں ہو سکیں گی۔ اسی کو میں تعبیر کرتا ہوں کہ یہ بریک ہے' اگر

یہ نہیں کھلے گا تو آگے ترقی اور پیش رفت نہیں ہو سکتی۔

جو لوگ اس پر کاربند ہو جائیں وہ گویا زمرۂ ''صالحین'' میں شامل ہو گئے۔ یہ صالحین وہ لفظ ہے کہ جو سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں گویا base line کا کام دیتا ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

یعنی جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت پر کاربند ہو گیا اسے معنوی معیت اور رفاقت حاصل ہو جائے گی ان کی جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے' یعنی انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین۔ اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں! تو جو شخص ارادہ کر چکا ہو اور ارادہ کر کے اپنی کشت قلب میں انفاق اور صدقہ و خیرات کا ہل چلا لے وہ صالحین میں شامل ہو جائے گا۔ اگر ارادہ کرنے کے باوجود معطل رہ گیا' عملاً کوئی پیش قدمی نہیں کی تو اُس کا وہ مقام نہیں ہے۔ اسی لئے چوتھی لائن میں علیحدہ سے واضح کیا ہے کہ صالحین وہ ہیں کہ جو کثرت صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے دل سے دنیا اور مال کی محبت کا ازالہ کریں۔

اب اس سے اوپر دو شاخیں بنائی گئی ہیں۔ یہ وہ دو اَقسام ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی عظیم اکثریت کو پیدا کیا ہے۔ تیسری قسم یعنی Ambiverts بہت شاذ ہوتے ہیں۔ لوگ عام طور پر یا تو بیرون بین (Extroverts) ہوتے ہیں یا دروں بین (Introverts)۔ داہنی طرف Introverts ہیں: ''غور و فکر اور سوچ و بچار کے عادی' اور زندہ اخلاقی حس کے حامل لوگ''۔ ان کے اندر سلامتیٔ فکر بھی ہے' سلامتیٔ عقل بھی ہے اور سلامتیٔ فطرت بھی ہے۔ ان کی اخلاقی حس بھی زندہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کا امتیاز تو فطرتِ انسانی میں ودیعت کر دیا ہے۔ ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۞ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۞﴾ تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو مرتبۂ ''صِدّیقیت'' تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔ یہ انبیاء سے نیچے سب سے اونچا مقام ہے جس تک انسان رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

© rasailojaraid.c

دوسری طرف دوسرے قسم کے لوگ ہیں: ''بھاگ دوڑ اور سیر و شکار کے عادی لوگ''۔ یہ Extroverts ہیں۔ انبیاء کرامؑ میں سے آپ حضرت موسیٰ اور حضرت اسماعیل (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کو ذہن میں رکھئے اور صحابۂ کرام میں سے حضرات عمر اور حمزہ (رضی اللہ عنہما) کو سامنے رکھئے۔ ان کا یہی مزاج تھا۔ حضرت عمرؓ تو پہلوان قسم کے آدمی تھے' اور انہیں غور و فکر اور سوچ بچار سے طبعی مناسبت بھی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آبائی حمیتیں اور آبائی عصبیتیں ان کے دل میں بڑی گہری اتری ہوئی تھیں۔ اسی لئے مسلمانوں سے دشمنی تھی' حضور ﷺ سے بھی سخت ناراضگی تھی' یہاں تک کہ انتہائی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب تو میں چراغِ نبوت کو گل کر کے ہی گھر واپس آؤں گا۔ حضرت حمزہ ؓ حالانکہ قرابت میں حضور ﷺ سے قریب ترین ہیں' نہایت محبت بھی کرتے ہیں' عزیز رکھتے ہیں' محبت ہی کے جوش مارنے کی وجہ سے تو ایمان لائے ہیں' لیکن آنحضور ﷺ کی دعوت کو چھ برس بیت گئے اور انہیں اپنے سیر و شکار سے فرصت ہی نہیں ہے۔ ادھر توجہ ہی نہیں ہے۔ تو یہ ہیں Extroverts کی مثالیں۔

دوسری طرف Introverts کی مثالیں دیکھئے۔ جیسے کہ میں نے عرض کیا' قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ غور و فکر اور سوچ بچار کے حوالے سے ممتاز نظر آتا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِىٓ اِبۡرٰهِيۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ آسمانوں اور زمین پر غور و فکر ہو رہا ہے' ہستیٔ باری تعالیٰ کے بارے میں سوچ بچار ہے۔ اور پھر سلیم الفطرت ہیں۔ اس ضمن میں دوسری جو مثال قرآن مجید میں نمایاں ہے وہ حضرت ادریس علیہ السلام کی ہے۔ جبکہ صحابۂ کرام میں سے حضرت ابوبکر الصدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اور خواتین میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' یہ وہ لوگ ہیں جو صدیقیت کے مزاج کے حامل ہیں۔ چنانچہ مرتبہ ''صالحیت'' کے بعد جو ارتقاء ہو گا' انسان سلوک کی منازل میں آگے بڑھے گا' ترقی ہو گی تو افتادِ طبع کے اعتبار سے یہ دو لائنیں علیحدہ ہو جائیں گی۔ یہ نسبت واضح ہو گئی اس آیت کی طرف ﴿اِنَّ الۡمُصَّدِّقِيۡنَ وَالۡمُصَّدِّقٰتِ وَاَقۡرَضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمۡ وَلَهُمۡ

اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ﴾۔

اس کے بعد اگرچہ یہاں لفظ ''ثُمَّ'' موجود نہیں ہے' لیکن مَیں '' القرآنُ یفسِّر بعضُہ بعضًا '' کے اصول پر سورۃ البلد کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ آیت ۱۸ اور آیت ۱۹ کے درمیان ''ثُمَّ'' کو محذوف سمجھئے' مقدر مانئے! ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ٭ۖ وَالشُّہَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ﴾ یعنی جب یہ کام (صدقہ وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ) کر کے لوگ آگے بڑھیں گے' ان کے دل سے دنیا اور مال کی محبت کا ازالہ ہو جائے گا' بریک کھل جائے گا' ترقی ہوگی' ارتقاء ہوگا' جو اعلیٰ معیارات اور مقامات ہیں' ان تک رسائی ہوگی تو انسان یا صدیقین کے مقام تک پہنچ سکے گا یا شہداء کے مقام تک۔

اس سے اوپر کا جو معاملہ ہے وہ میں نے مزید واضح کیا ہے کہ نبوت اوپر ہے' رسالت نیچے ہے' کیونکہ میں ان لوگوں سے متفق ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت کا رتبہ رسالت سے اونچا ہے' بایں معنی کہ نبوت درحقیقت مقامِ عروج میں اور رسالت مقامِ نزول میں ہے۔ نبوت کا رُخ اللہ کی طرف ہے اور رسالت کا رُخ بندوں کی طرف ہے۔ اس اعتبار سے میں نے نبوت کو رسالت سے اوپر رکھا ہے۔ لیکن اصل میں صدیقیت کی اصطلاح رسالت ہی کے لفظ سے واضح ہوتی ہے۔ یعنی جیسے ہی رسول کی دعوت کسی صدیق کا مزاج رکھنے والے شخص کے کان میں پہنچے گی وہ فوراً لبیک کہے گا' اسے کوئی دیر نہیں لگے گی' اس لئے کہ یہ اُس کی سلامتیٔ عقل اور سلامتیٔ فطرت کا تقاضا ہے۔ وہ خود پہلے سے گویا تیار ہے۔ میں تو اِس کی مثال دیا کرتا ہوں جیسے کوئی شخص وضو کر کے گھر میں بیٹھا ہو اور اذان کی آواز آئے تو یقیناً وہ مسجد کا رُخ کرے گا۔ صدیقین کی شخصیت میں بالکل اس طرح کی آمادگی پہلے سے موجود ہوتی ہے۔

دوسری قسم کے لوگوں یعنی شہداء کو اگرچہ قبولِ حق میں دیر تو لگ جاتی ہے' جیسے حضرات عمر اور حمزہ رضی اللہ عنہما کو بھی چھ سال لگ گئے' لیکن چونکہ وہ فعال اور طاقتور قسم کے لوگ تھے' ان کی ہیبت تھی' لہٰذا ان سے مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ حالانکہ اس

© rasailojarai.c

سے پہلے صدیقین ہی کی جماعت تھی جو حضور ﷺ پر ایمان لائی لیکن شہداء اپنی فعالیت کی وجہ سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اپنی شخصیت کے ایک خاص مزاج کے اعتبار سے وہ قوی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے کے بعد مسلمان دھڑلے کے ساتھ کھلم کھلا حرم میں نمازیں پڑھنے لگے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم جب ہجرت کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو چھپ کر نکلتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہو، خواہ مخواہ کوئی مزاحم ہوگا یا کسی اور طرح کی مشکل پیش آ جائے گی۔ لیکن حضرت عمر ؓ کی شان یہ ہے کہ جب ہجرت کے لئے نکلے تو سب کے سامنے حرم میں آ کر دو رکعت نماز پڑھی اور اعلان کیا کہ میں ہجرت کر کے جا رہا ہوں اور جس کا ارادہ ہو کہ اس کی ماں اسے روئے وہ آ جائے اور میرا راستہ روک لے! یہ الفاظ کہہ کر ڈنکے کی چوٹ ہجرت کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔ تو رسالت کا جو اصل منصب ہے یعنی دین کو قائم کرنے کی سعی و جدوجہد، اس میں یہ لوگ زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں اور آگے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حمزہ ؓ کی شجاعت غزوۂ بدر میں ظاہر ہوئی۔ حضرت ابوبکر ؓ کے بارے میں سننے میں نہیں آئے گا کہ کسی کے ساتھ اس طرح کا دوبدو مقابلہ ہوا ہو، اگرچہ وہ بات تو آتی ہے کہ آپ ؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ نے اسلام لانے کے بعد جب یہ کہا کہ ابا جان! آپ غزوۂ بدر میں میری زد میں آ گئے تھے، لیکن میں نے آپ کی رعایت کی، تو حضرت ابوبکر ؓ نے جواب دیا کہ بیٹے! تم نے یہ اس لئے کیا کہ تم باطل کے لئے جنگ کر رہے تھے، خدا کی قسم! اگر کہیں تم میری زد میں آ گئے ہوتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔ صدیقیت کا مقام نبوت سے قریب تر ہوتا ہے۔ چنانچہ جو مقام و مرتبہ حضور ﷺ کا ہے اس سے بالکل ملحق مقام و مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ہے۔ اس طرح اب سورۃ النساء کی آیت ۶۹ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ آپ کے سامنے پورے طور پر واضح ہو گئی۔

البتہ اس ضمن میں دو باتیں ابھی اور سمجھ لیجئے! ایک یہ کہ میں نے dotted line کے ساتھ جو نسبت ظاہر کی ہے وہ ہے ''صِدِّيْقًا نَّبِيًّا'' اور ''رَسُوْلًا نَّبِيًّا''۔ قرآن حکیم میں مختلف رسولوں کے لئے یہ دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ انبیاء و رُسل کے انتخاب کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ (آل عمران: ۳۳) ''اللہ نے (اپنی رسالت کے لئے) پسند فرمالیا' آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو' تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر''۔ رسالت اور نبوت کے لئے یہ انتخاب ظاہر ہے کہ انسانوں میں سے ہی ہوا ہے۔ اور انسانوں میں اس نے عام طور پر یہ دو مزاج بنائے ہیں' ایک وہ مزاج جس کی مناسبت صدیقیت کے ساتھ ہے اور دوسرے وہ مزاج جس کی مناسبت شہادت کے ساتھ ہے۔ تو حضرت ابراہیم اور ادریس (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں کے بارے میں قرآن مجید میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿﴾ (مریم: ۴۱ و ۵۶) اور یہ نسبت مَیں نبوت کی طرف قائم کر رہا ہوں' رسالت کی طرف نہیں۔ رسول کی دعوت کے قبول کرنے میں صدیقین اور شہداء میں فرق ہوگا۔ داعی کی حیثیت سے تو رسول سامنے آئے گا' لیکن داعی کا معاملہ رسالت کے ساتھ متعلق ہے۔ اور رسول کی دعوت کے ردّعمل کے اعتبار سے فرق یہ ہوگا کہ صدیق کو قبول کرنے میں دیر لگے گی ہی نہیں' وہ تو جیسے پہلے ہی سے منتظر تھے۔ جبکہ شہداء کو وقت لگے گا' دیر لگے گی۔ اس لئے کہ ان کی توجہ ہی ادھر نہیں ہے —— لیکن یہ کہ صدیقیت اور شہادت کی نبوت کے ساتھ نسبت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن انسانوں کو شرفِ نبوت کے لئے چنا ہے تو ظاہر بات ہے یا تو وہ صدیقی مزاج کے حامل تھے یا شہیدی مزاج کے حامل تھے۔ تو دوسروں کو کہا گیا ﴿رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿ (مریم: ۵۱ و ۵۴) کیونکہ شہادت کی نسبت رسالت کے ساتھ زیادہ ہے۔ اسی لئے ڈائیگرام میں ''رَسُوْلًا نَّبِيًّا'' والی dotted line رسالت تک پہنچائی گئی ہے۔ اور پھر رسالت سے آگے نبوت کا مرتبہ ہے۔ گویا شہیدی مزاج کے حامل مرتبۂ رسالت سے ہو کر مرتبۂ نبوت پر فائز ہوئے' جبکہ

© rasailojaraid

صدیقین براہِ راست نبوت سے سرفراز کئے گئے۔

ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ جو بھی اوپر والے درجے پر فائز ہے اس میں نیچے والے کے تمام اوصاف بتمام وکمال لازماً موجود ہیں۔ صدیق کا اپنا مزاج تو وہ ہے جو میں بیان کر چکا ہوں' لیکن عزم وارادہ کے اعتبار سے اس کے اندر شہداء والی پوری شخصیت بھی موجود ہے۔ اس کا ظہور حضرت ابوبکر ؓ کے دورِ خلافت میں ہوا ہے۔ ورنہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ تک حضرت ابوبکر ؓ کا جو مزاج سامنے تھا اس کے اعتبار سے آپ نہایت رقیق القلب اور نحیف الجثہ انسان تھے۔ وہ اس طرح کے انسان محسوس ہوتے ہی نہیں تھے جیسے بعد میں ظاہر ہوئے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر خلافت کی ذمہ داری کا بوجھ آیا تو حالات نہایت critical اور مخدوش تھے۔ اتنی بڑی بغاوت برپا ہو گئی تھی کہ دارالاسلام دو شہروں تک محدود ہو گیا تھا۔ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ کی کیفیت تھی۔ متعدد مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے تھے اور لاکھوں آدمی ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ لاکھوں آدمی تھے۔ جنگ یمامہ میں کئی سو حفاظ شہید ہو گئے تھے۔ تبھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تشویش ہوئی کہ اگر اسی طرح حفاظ صحابہ کرام شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن مجید گم نہ ہو جائے' لہٰذا اسے کتابی شکل میں مرتب کر لینا چاہئے۔ دوسری طرف مانعین زکوٰۃ کا معاملہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر revolution کے بعد جو ایک counter revolution کا مرحلہ آیا کرتا ہے وہ انقلابِ محمدیؐ کے بعد بھی آیا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ انقلاب کی تکمیل کے مرحلے پر مخالف قوتیں جب دیکھتی ہیں کہ اب ہم بے بس ہو چکے ہیں تو پھر وہ دبک جایا کرتی ہیں اور منتظر رہتی ہیں کہ پھر کوئی موقع آئے گا تو ہم کوئی اقدام کریں گے۔ چنانچہ باطل قوتیں اُس وقت دبک گئیں۔ اس کے بعد جیسے ہی حضور ﷺ کا انتقال ہوا تو ان باطل قوتوں نے یک دم سر اُٹھایا۔ اُس وقت مسلمان صدمے اور غم سے نڈھال تھے اور ان کا

© rasailojaraid.com

مورال کچھ نہ کچھ کم ہو گیا تھا۔ اس وقت یکا یک فتنوں نے سر اٹھایا۔ ایک طرف مانعین زکوٰۃ کھڑے ہو گئے' دوسری طرف مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسلامی ریاست تو یوں سمجھئے تقریباً مکہ اور مدینہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اسلامی ریاست کو reclaim کیا ہے اور یہ کام فولادی عزم اور کوہ ہمالیہ جیسی عزیمت کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مشورہ دے رہے ہیں کہ ذرا مصلحت کو پیش نظر رکھئے۔ آپ یہ جو پے بہ پے محاذ کھولتے جا رہے ہیں یہ قرین مصلحت نہیں۔ آپؓ نے جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں روکا۔ لوگوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے' اب یہ لشکر نہ بھیجا جائے۔ لیکن آپؓ نے فرمایا: جس لشکر کی تیاری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو میں اس کو کیسے روک دوں؟ چنانچہ جیش اسامہؓ روانہ کر دیا گیا۔ دوسری طرف جو مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے ان کا ارتداد تو بالکل الم نشرح تھا' لہٰذا ان کے خلاف تو جنگ کرنی ہی تھی' اس میں تو کسی مشاورت کی ضرورت ہی نہیں تھی' لہٰذا اس کا محاذ بھی کھول دیا گیا۔

اس کے بعد جب مانعین زکوٰۃ کا مسئلہ سامنے آیا کہ نہ تو انہوں نے کسی نئی نبوت کا اقرار کیا اور نہ ارکانِ اسلام کا انکار کر رہے تھے۔ وہ نماز کا انکار بھی نہیں کر رہے تھے اور زکوٰۃ کا بھی انکار نہیں کر رہے تھے' بلکہ صرف یہ کہہ رہے تھے کہ ہم اپنی زکوٰۃ حکومت کو نہیں دیں گے' ہم اسے اپنے طور پر تقسیم کریں گے جس طرح چاہیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ آپ ان کے معاملے میں کچھ نرمی برتیں' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس وقت اُن کو بھی ڈانٹ پلائی کہ عمر! تم دورِ جاہلیت میں تو بہت سخت تھے' اسلام میں آ کر نرم ہو گئے ہو؟ خدا کی قسم! اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ اُن کو باندھنے والی رسیاں بھی دیتے تھے تو اب اگر یہ اونٹ دینے کو تیار ہوں اور رسیاں دینے سے انکار کریں تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا۔ اَیُبَدَّلُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ؟ ''کیا دین کے اندر ترمیم ہو جائے گی جبکہ میں ابھی زندہ ہوں؟'' تو یہ عزیمت ہے۔ اور پھر یہ کہ واقعتاً اللہ تعالیٰ نے ان کے اِرا[illegible] لولے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حوصلے کا نتیجہ بھی ظاہر کر دیا۔ آپؓ کا زمانۂ خلافت پورے اڑھائی برس بھی نہیں' بلکہ دو سال چار ماہ ہے۔ اس قلیل عرصے میں ان تمام انقلاب مخالف قوتوں (counter revolutionary movements) کو ختم کیا اور میدان بالکل صاف کر کے حضرت عمرؓ کے حوالے کیا۔ اب چونکہ اندرونِ عرب تو ہر طرح کے فتنوں کا قلع قمع ہو چکا تھا' لہٰذا دورِ فاروقی میں صحابہ کرامؓ کی فوجیں مشرق' مغرب اور شمال کی طرف نکلیں اور دس برس کے اندر اندر کرۂ ارضی کا بہت بڑا حصہ پرچم اسلام کے زیرنگیں آ گیا۔ تو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو بھی بالاتر طبقہ ہے اس کے اندر نیچے والے طبقے کے سارے اوصاف موجود ہوتے ہیں' اگرچہ dormant رہتے ہوں۔ وہ ظاہر تب ہی ہوں گے جب ایسا کوئی مرحلہ آئے گا' جب کوئی محاذ درپیش ہوگا۔ تو اِن حقائق کو اگر آپ سامنے رکھیں تو نبوت و رسالت' صدیقیت' شہادت اور صالحیت کی درجہ بندی سمجھ میں آ سکے گی۔

جہاں تک بعض صوفیاء کے اس قول کا تعلق ہے کہ نسبت ولایت افضل ہے نسبت نبوت سے' اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک نبی اور رسول یعنی جس شخصیت میں نبوت اور رسالت دونوں نسبتیں جمع ہیں اس کی نسبتِ نبوت نسبتِ رسالت سے افضل ہے۔ اب نسبت نبوت کو اصل مناسبت نسبت ولایت کے ساتھ ہے اور نسبت رسالت کو اصل مناسبت نسبت شہادت کے ساتھ ہے۔ تو نبی کی جو ولایت ہے وہ نبی کی رسالت سے افضل ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ تصور کہ کوئی ولی جو غیر نبی ہے وہ کسی نبی سے افضل ہو سکتا ہے' یہ ایک غلط اور باطل تصور ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

سورۃ الحدید کی زیر مطالعہ آیت نمبر ۱۹ کا کچھ حصہ رہ گیا تھا' اسے ہم مکمل کر لیتے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ٭ۖ وَالشُّہَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ﴾ ''عِنۡدَ رَبِّہِمۡ'' یہاں ''اَلشُّہَدَآءُ'' کے بعد آیا ہے۔ یہ صرف ''اَلشُّہَدَآءُ'' کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ''اَلصِّدِّیۡقُوۡنَ وَالشُّہَدَآءُ'' کے لئے بھی۔ ''عِنۡدَ رَبِّہِمۡ'' کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ''اللہ کے نزدیک'' یا ''اللہ کے پاس''۔

© rasailojaraid.com

چنانچہ پہلا ترجمہ ہوگا ''وہ اپنے ربّ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں''۔ جیسے ہم کہتے ہیں: میرے نزدیک اس کا مقام یہ ہے۔ تو یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے نزدیک مراتب صدیقیت اور مراتب شہادت پر فائز ہوں گے۔ اس طرح ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' کا اطلاق دونوں پر ہوگا۔ لیکن میرے نزدیک دوسری بات زیادہ صحیح ہے کہ ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' کا اطلاق صرف ''اَلشُّهَدَآءُ'' پر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ گواہی اصل میں اللہ کے ہاں جا کر دینی ہے' جیسا کہ میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں۔ دنیا میں جب کوئی اللہ کا بندہ دعوت دیتا ہے اور دعوت اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ اتمامِ حجت ہو جائے تو اب وہی ہو گا جو اللہ کی عدالت میں گواہِ استغاثہ کی حیثیت سے کھڑا ہوگا اور سب سے پہلے وہ testify کرے گا کہ پروردگار! تیرا پیغام جو میرے پاس آیا تھا میں نے ان تک پہنچا دیا تھا۔ تو ''اَلشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ عدالتِ خداوندی میں' عدالتِ اُخروی میں' اللہ کے ہاں محاسبۂ اُخروی کے وقت گواہ ہوں گے' اللہ کی طرف سے حجت قائم کرنے والے ہوں گے۔ اسے ہمارے ہاں کی عدالتی زبان میں گواہِ استغاثہ یا سرکاری گواہ (prosecution witness) کہتے ہیں۔ استغاثہ کے وکلاء بھی ہوتے ہیں' انسپکٹرز بھی ہوتے ہیں اور گواہ بھی۔ فوجداری مقدمات میں کوئی ملزم جب عدالت میں پیش ہوتا ہے تو پہلے اس پر فردِ جرم عائد کی جاتی ہے اور یہ چارج شیٹ اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہے' اس لئے کہ اس نے ریاست کے قانون کو توڑا ہے۔ تو اس حوالے سے اللہ کے ہاں اِن ''شہداء'' کی حیثیت استغاثہ کے گواہ کی ہوگی۔ انبیاء و رُسل وہاں پر شہادت دینے کے لئے کھڑے ہوں گے۔

اب دیکھئے' صدیقیت تو شہادت سے بلند تر رتبہ ہے' لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ جو صدیق ہے وہ دعوت نہیں دے گا! چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر عشرۂ مبشرہ میں سے چھ حضرات ایمان لائے ہیں۔ تو اوپر والے میں نیچے والے کے سارے اوصاف موجود ہوتے ہیں۔ تو اس اعتبار سے اس آیت کا ایک ایک لفظ اُجاگر ہو کر ہمارے سامنے آ گیا ہے اور ہم نے دیکھا کہ یہاں کوئی لفظ بھی ایسے ہی نہیں آ گیا۔

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم میں برائے بیت یا برائے وزن کوئی شے نہیں ہے۔ ہر شے نہایت معنی خیز ہے اور اپنی جگہ پر ہیرے کی طرح جڑی ہوئی ہے۔ ہر حرف اپنی جگہ پر اِس کے حسن معنوی کے اندر اضافہ کر رہا ہے۔

صدیقیت اور شہادت کے ضمن میں ایک بات مزید عرض کر رہا ہوں کہ اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صدیقین میں سے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہداء میں سے ہیں' لیکن جب ہم مراتب شمار کرتے ہیں تو حضرت ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ ہیں اور پھر عثمانؓ ہیں۔ اس طرح ذہنوں میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے' تو اس کو بھی سمجھ لیجئے کہ اپنی جگہ پر تو صدیقیت بلند تر مقام ہے مرتبہ شہادت سے' لیکن کمیت (quantity) کا مسئلہ اور ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ سونا چاندی کی نسبت زیادہ قیمتی دھات ہے' لیکن فرض کیجئے سونا چند تولے ہے اور چاندی منوں کے حساب سے رکھی ہوئی ہے تو ظاہر بات ہے منوں چاندی قیمت کے اعتبار سے چند تولے سونے سے بڑھ جائے گی' اگرچہ اپنی جگہ پر یہی کہا جائے گا کہ سونا' چاندی سے قیمتی ہے۔ یہ تمثیل بھی اس حدیث پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ)) یعنی ''انسانوں کا معاملہ بھی معدنیات کی طرح ہے''۔ کوئی معدنیات زیادہ قیمتی اور کوئی کم قیمتی ہوتی ہیں۔ ایک روایت میں آگے یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ((کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ)) ''جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں''۔ سونا' چاندی' تانبا اور لوہا سب معدنیات ہی ہیں' لیکن ان کی اپنی اپنی حیثیت ہے۔ فرمایا: ((خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُھُوْا)) (متفق علیہ) ''ان میں سے جو لوگ (اسلام سے قبل) جاہلیت میں بہتر تھے وہی پھر اسلام لا کر بھی بہتر ہوئے' جب انہوں نے دین کی سمجھ حاصل کر لی''۔

یوں سمجھئے کہ سونا جب آپ زمین سے نکالتے ہیں تو یہ کچ دھات (ore) کی صورت میں ہوتا ہے' اس میں کچھ کثافتیں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسے صاف کرتے ہیں تو وہ سونا بن جاتا ہے۔ اسی طرح چاندی کی ore ہے' اس کے اندر بھی impurities

ہیں' صاف کریں گے تو وہ چاندی بنے گی۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ چاندی کی کچ دھات کو صاف کریں تو وہ سونا بن جائے۔ چاندی کی ore سے تو چاندی ہی وجود میں آئے گی۔ اسے آپ جتنا زیادہ صاف کریں گے اسی قدر خالص چاندی آپ کو مل جائے گی۔ اسی طرح سونے کی ore ہے تو خوب صاف کرنے سے آپ کو بہت عمدہ زرِ خالص عیار مل جائے گا۔ لیکن جب مقدار کا پہلو آ جائے گا تو چاندی کی زیادہ مقدار سونے کی قلیل مقدار سے زیادہ قیمتی ثابت ہو سکتی ہے۔ یہی معاملہ صدیقیت اور شہادت کا ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ اپنی جگہ پر مزاجاً شہید تھے' لیکن پھر اس کے اندر انہوں نے جو مقام حاصل کیا ہے اس quantitative عنصر کے اعتبار سے ان کا رتبہ بحیثیت مجموعی صحابہؓ کی جماعت کے اندر تمام صدیقین سے بڑھ گیا' سوائے صدیق اکبر ؓ کے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے افضل ترین ہونے میں کوئی شک نہیں' افضلُ البشرِ بعدَ الانبیاء بالتحقیق ابو بکرِ الصِّدِّیق' دوسرے نمبر پر حضرت عمر فاروق ؓ' تیسرے نمبر پر حضرت عثمان ؓ اور چوتھے نمبر پر حضرت علی ؓ ہیں۔ اگرچہ جہاں تک مزاج کا تعلق ہے حضرت علیؓ مزاجاً حضور ﷺ کے مزاج سے قریب ترین ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ambiverts بہت شاذ ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ میں آپ دیکھئے ایک طرف ادب ہے' فصاحت و بلاغت ہے' چوٹی کے شاعر ہیں اور آپؓ نے عربی گرامر کے اصول و قواعد معین کئے ہیں۔ ''نہج البلاغۃ'' میں آپؓ کے خطبات دیکھئے کہ فصاحت و بلاغت کا کیا عالم ہے! اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں بہت سی چیزیں جھوٹی بھی شامل کر دی گئی ہیں' لیکن حضرت علیؓ کی فصاحت و بلاغت اور علم سے کون انکار کر سکتا ہے؟ آپؓ کا شمار چوٹی کے فقہاء صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ دوسری طرف آپؓ مردِ میدان ہیں' تلوار کے دھنی ہیں۔ غزوۂ احزاب میں جب عمرو بن عبدوَدّ نے آگے بڑھ کر چیلنج کیا تو وہاں کسی کو اُس کے مقابل جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ ۱۰۰ آدمیوں کے برابر قوت رکھنے والا شخص ہے۔ حالانکہ وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا' لیکن اتنا جری اور قوی ہیکل شخص تھا کہ اس کی شجاعت

© rasailojaraid

اور شہ زوری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت علیؓ میدان میں آئے تو کہنے لگا اگر کوئی آخری خواہش ہے تو بیان کرو! حضرت علیؓ نے پہلے یہ خواہش ظاہر کی کہ مسلمان ہو جاؤ‘ جب اس نے اسے رد کر دیا تو دوسری خواہش یہ بیان کی کہ جنگ کے میدان سے واپس چلے جاؤ اور جب اس نے اسے بھی رد کر دیا تو کہا کہ میری آخری خواہش یہ ہے کہ یا تو تم میرے ہاتھوں جہنم پہنچو یا تم مجھے جنت میں پہنچا دو! اس پر وہ ہنسا کہ میں نے آج تک اپنی پوری زندگی میں کسی شخص کو نہیں دیکھا جو مجھے مقابلے کی دعوت دے رہا ہو۔ پھر وہ مشتعل ہو کر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ حضرت علیؓ نے دست بدست جنگ میں اسے جہنم رسید کر دیا۔ پھر حضرت علیؓ فاتح خیبر ہیں۔ خیبر کا قلعہ کسی کے ہاتھوں فتح نہیں ہو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا: میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور رسولؐ محبت کرتے ہیں۔ صبح آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو جھنڈا عطا فرمایا اور آپؓ کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔ تو یہ جو توازن اور combination ہے کہ ایک طرف شجاعت و بہادری اور دوسری طرف فصاحت و بلاغت‘ ادبیت‘ شاعری‘ اس اعتبار سے حضرت علیؓ صحابہ کرامؓ میں چوٹی کے آدمی ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک صحابہ کرام میں جامعیت کبریٰ حضرت علیؓ کو حاصل ہے‘ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

لیکن جب ہم صحابہ کرامؓ کے اندر درجہ بندی کریں گے‘ تو جیسا کہ میں نے اس سے پہلے ایک موقع پر عرض کیا تھا‘ حضرت علیؓ کا شمار صف دوم میں ہو گا۔ اس لئے کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ تو لگ بھگ رسول اللہ ﷺ کے ہم عمر قسم کے لوگ تھے‘ آپؐ کے اعوان و انصار تھے‘ جبکہ حضرت علیؓ تو گویا حضور ﷺ کی گود میں پروان چڑھے ہیں‘ وہ آپ ﷺ کے گھر میں پلے بڑھے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر واضح ہے کہ تربیتِ محمدیؐ کا شاہکار تو یقیناً حضرت علیؓ ہیں‘ اس لئے کہ جس قدر صحبت کا فیض اٹھانے اور حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت سے حصہ حاصل کرنے کا موقع حضرت علیؓ کو ملا کسی اور کے لئے اس کا امکان ہی نہیں ہے۔ لیکن وہ جو حضور ﷺ

om

© rasailojaraid.com

کے ساتھی تھے‘ جو اعوان و انصار اور دست و بازو تھے‘ جو آپؐ کے ہم عمر اور آس پاس تھے ان کی صف ہی علیحدہ ہے‘ حضرت علیؓ اس میں جگہ نہیں پاتے۔ اس اعتبار سے جو لوگ ان کے درمیان تقابل کرنے کی کوشش کرتے ہیں میرے نزدیک وہ قیاس مع الفارق کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دو چیزوں میں تقابل اور موازنہ وہاں کیا جاتا ہے جہاں نوعیت ایک ہو۔ اگر نوعیت مختلف ہو تو اُن میں موازنہ کیا ہوگا؟ البتہ مزاج کے اعتبار سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے قریب ترین ہیں۔

دنیا کی کامل ترین متوازن شخصیت (بالفاظ دیگر ambivert) تو صرف حضور ﷺ کی ہے کہ ایک طرف قوائے ذہنی وفکری بھی انتہا پر ہیں اور دوسری طرف قوائے عملی بھی انتہا پر ہیں۔ ان دونوں کا امتزاج اگر بتمام وکمال ہوا ہے تو وہ خود محمد عربی ﷺ ہیں۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب ’’The 100‘‘ میں اس کے ہم وزن بات لکھی ہے۔ دیکھئے‘ اس شخص نے جب یہ کتاب مرتب کرنے کا فیصلہ کیا تو گویا یہ فیصلہ کیا کہ میں نسل انسانی کے پہلے سو (۱۰۰) عظیم ترین انسانوں کا انتخاب کروں گا جنہوں نے تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑا اور اس کے رُخ کو معین کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا‘ پھر میں ان میں درجہ بندی کروں گا کہ ان سو میں بلند ترین مقام پر کون ہے جس نے سب سے زیادہ فیصلہ کن انداز میں تاریخ کے دھارے پر اپنا اثر ڈالا ہے اور اس کے رُخ کو موڑا ہے۔ پھر اس اعتبار سے دوسرے اور تیسرے نمبر پر کون آئے گا! ظاہر ہے کہ اس کے لئے اس نے تاریخ انسانی کا گہرا مطالعہ کیا ہوگا اور خوب سوچ بچار کیا ہوگا۔ اس کے بعد وہ کتاب مرتب کرنے بیٹھا ہے تو نمبر ایک پر لایا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ آج تک بھی عیسائی ہے۔ نہ تو ابھی اس کے مرنے کی خبر آئی ہے نہ اسلام لانے کی خبر آئی ہے۔ اس کی یہ کتاب دنیا میں بہت عام ہوئی ہے‘ لیکن اشاعت کے بعد وہ بہت جلد نایاب ہوگئی تھی اور عام خیال یہ تھا کہ شاید کسی سازش کے تحت اسے غائب کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس کتاب میں حضرت مسیحؑ کو نمبر

© rasailojaraid.com

تین پر رکھا اور حضور ﷺ کو نمبر ایک پر لایا' اور یہ بات عیسائی دنیا کے لئے قابلِ قبول اور قابلِ برداشت نہیں تھی۔ اس نے لکھا ہے:

"My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."

ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کے نزدیک انسانی زندگی کے دو علیحدہ علیحدہ میدان ہیں۔ ایک ہے مذہب' اخلاق اور روحانیت کا میدان' جبکہ ایک ہے تمدن' تہذیب' سیاست اور معاشرت کا میدان' اور ان دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب(Supremely successful) انسان ایک ہی ہے اور وہ ہیں محمد ﷺ۔ وہی بات میں کہہ رہا ہوں۔ یہ جو introverts اور extroverts کے درمیان ایک ایسی جامع شخصیت جو سرِفہرست ہے وہ نبی اکرم ﷺ ہیں' اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں پھر اس اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزاج آپؐ سے بہت قریب تر ہے۔

صدیقین اور شہداء کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ ''ان کے لئے ان کا اجر اور اُن کا نور محفوظ ہے''۔ اس سورۂ مبارکہ میں لفظ نور بہت کثرت کے ساتھ بار بار آ رہا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ فرمایا کہ قرآن مجید انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر نور میں لاتا ہے۔ یہ آیاتِ بینات پر مشتمل ہے۔ پھر یہ کہ نورِ ایمان قیامت کے دن ظاہر ہوگا اور منافقین اس سے محروم اور تہی دست ہوں گے۔ اہل ایمان کا نو[ر] اُن کے سامنے اور اُن کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا۔ میرے نزدیک اس کی سادہ تری[ن] توجیہہ یہ ہے کہ جو دل کا نور ہوگا اس کا ظہور سامنے کی طرف ہو رہا ہوگا اور اعمالِ صالحہ کا نور دائیں طرف ہوگا۔ اس لئے کہ اعمالِ صالحہ کا کاسب دایاں ہاتھ ہے۔ لہٰذا انسان کسی کو کچھ دیتا ہے تو داہنے ہاتھ سے دیتا ہے۔ سارے اچھے کام ہم داہنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ تو اعمال کا نور داہنی طرف اور ایمان کا نور سامنے کی طرف ہوگا۔ تو یہاں بھی نور کا تذکرہ آیا۔ یہاں بھی فرمایا: ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ یہ لام تملیک بھی ۔

© rasailojaraid.com

اور لامِ استحقاق بھی۔ میں نے ترجمہ میں لفظ ''محفوظ'' کا اضافہ کیا ہے ''ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور محفوظ ہے''۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجرِ عظیم بھی ہے اور ان کے لئے ان کا نور بھی محفوظ ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جو کفر کریں اور ہماری آیات کی تکذیب کریں وہی دوزخ والے ہیں''۔ میں ان دونوں الفاظ (کفر اور تکذیب) کی یہاں وضاحت کرتا چلوں کہ یہ جو الفاظ آئے ہیں یہ ایسے ہی نہیں آئے جیسے ہم صرف اضافے کے لئے الفاظ لاتے ہیں' جیسے گورا چٹا' بلکہ ان کی معنویت ہے۔ کفر کا حقیقی اور لغوی مفہوم ہے چھپا دینا۔ اسی سے لفظ ''کفارہ'' ہے۔ آپ سے کوئی گناہ' کوئی غلطی ہو گئی تو اب اس کا کفارہ ہو گا کہ جو اُس کے اثر کو زائل کر دے گا۔ آپ کفارہ ادا کر دیں گے تو وہ گناہ گویا آپ کے نامۂ اعمال سے حذف کر دیا جائے گا' یا دھو دیا جائے گا' چھپا دیا جائے گا۔ تو اس کفر کے لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور یہ لفظ شکر کے مقابلے میں کیوں آتا ہے؟ سلیم الفطرت انسان کے ساتھ جب بھی کوئی احسان کرتا ہے' حسن سلوک کرتا ہے' اس کی کوئی خدمت کرتا ہے' اسے کوئی قیمتی شے دیتا ہے تو اس کے قلب کی گہرائیوں میں احسان مندی کے جذبات اُبھرتے ہیں جو زبان پر آ کر شکریے کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ لیکن ایک بدطینت ناشکرے انسان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ محسن و منعم کا شکر ادا کرے' وہ ان جذباتِ تشکر کو دباتا ہے۔ یہی معاملہ ایمان اور کفر کا ہے۔ اس لئے کہ ایمان تو درحقیقت اس روح ربانی کے اندر موجود ہے جو ہمارے وجود میں پھونکی گئی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾ تو درحقیقت ''نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ'' کے مصداق نورِ فطرت اور نورِ وحی کے جمع ہونے سے ایمان وجود میں آتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہوتی ہے' فطرت کے سوتے خشک ہو چکے ہوتے ہیں' لیکن جس شخص کے اندر ذرا سی بھی فطرت کی سلامتی باقی ہے اس کے سامنے جیسے ہی نبی کی دعوت آتی ہے تو اس کے اندر سے اس کی تصدیق ابھرتی ہے کہ ہاں یہ بات صحیح ہے۔

© rasailojaraid.com

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا!

لیکن فرض کیجئے کہ کوئی تعصب اور عصبیت ہے' کوئی ضد اور تکبر ہے' کوئی حسد ہے' تو فطرت کی اس آواز کو دبایا جائے گا۔ یہود کے علماء نے حضور ﷺ کا جو انکار کیا تو اس کی وجہ قرآن نے یہ بیان کی: ﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ کہ یہ اپنے اندر کے حسد کی وجہ سے یہ سب کچھ کر رہے ہیں' ورنہ یہ کہ ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ "یہ تو محمد (ﷺ) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں"۔ تو اگر پہچان بھی لیا' دل نے گواہی بھی دے دی' لیکن اس کے باوجود کوئی انکار کر رہا ہے' تو درحقیقت یہ دو مرحلے ہیں۔ ایک اپنے اندر کی تصدیق کو دبانا' بجائے اس کے کہ اسے ظاہر ہونے دیں' اور دوسرے زبان سے تکذیب کرنا' جھٹلانا۔ یہ گویا کہ دو مظاہر (phenomenons) ہیں کہ ان دونوں کو ملا کر بات مکمل ہوتی ہے۔ باطن میں سے اُبھرنے والی تصدیق کو دبا دینا کفر ہے' جس کے لئے یہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور پھر نبیؐ کی دعوت کو جھٹلانا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں' یہ تکذیب ہے اور یہ گویا جرم بالائے جرم ہے' ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مصداق ہے۔ تو فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ﴾ وہ لوگ کہ جو کفر کرتے ہیں' اندر کی حقیقتوں کو' اپنے باطن اور روح کی گواہیوں کو اور شہادتوں کو دباتے اور چھپاتے ہیں اور جب ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کی تکذیب کرتے ہیں' انہیں جھٹلاتے ہیں۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ "یہی تو جہنم والے ہیں"۔ یہ جہنم میں داخل ہو کر رہیں گے۔

مضامین کے اعتبار سے ہم نے سورۃ الحدید کی آیات کو سات حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ آیت ۱۹ پر اِس کا چوتھا حصہ ختم ہو رہا ہے۔ یہ حصہ اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ میں نے اِس کی وضاحت کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ بعض مفسرین نے ان آیات میں بہت سے اشکال پیدا کر دیئے ہیں' چنانچہ آپ مختلف تفاسیر دیکھیں گے تو

معلوم ہو گا کہ ہمارے مفسرین کس طرح مختلف بحثوں میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ صرف دو چیزوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ آیت ۱۸ اور ۱۹ کے درمیان جو ربط ہے وہ لفظی طور پر موجود نہیں ہے "لہٰذا" "اَلْقُرآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا" کے مصداق یہاں سورۃ البلد سے استشہاد کر کے "ثُمَّ" محذوف ماننا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ شہید کا ایک ہی تصور ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے اور وہ یہ کہ جو بھی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔ حالانکہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ لفظ قرآن میں اس معنی میں نہیں آتا۔ صرف ایک مقام سورۂ آل عمران کا ہے جہاں یہ معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ وہاں پر بھی دوسرا مفہوم مراد ہو سکتا ہے لیکن مقتول فی سبیل اللہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ البتہ حدیث میں یہ لفظ اس معنی میں آیا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کچھ تصورات کا غلبہ اس طرح کا ہو جاتا ہے کہ اصل حقیقت اس کے پیچھے محجوب ہو جاتی ہے اور اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔

بارك الله لی ولكم فی القرآن العظيم ونفعنی واياكم بالآيات والذكر الحكيم

قارئین توجہ فرمائیں

ماہنامہ میثاق، حکمت قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت کا سالانہ زرتعاون ختم ہونے پر یاددہانی کے نظام میں تھوڑی سی تبدیلی عمل میں لائی جارہی ہے۔ آئندہ آپ کو سالانہ خریداری کے 11 ویں مہینے یاددہانی کا کارڈ ارسال کیا جائے گا۔ 12ویں ماہ کے پرچے کے ٹائٹل پر ایک یاددہانی کا سٹکر لگایا جائے گا۔ اس کے بعد (زرتعاون موصول نہ ہونے کی صورت میں) پرچہ بند متصور کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ پرچہ بذریعہ VPP صرف اس صورت میں بھیجا جائے گا جب آپ کی طرف سے اس کی ہدایت موصول ہو جائے۔ زرتعاون یا کوئی اطلاع موصول نہ ہونے کی صورت میں از خود VPP نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ VPP پر اخراجات بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں اور نہ چھڑانے کی صورت میں ادارے کو خاصا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ امید ہے قارئین اس سلسلے میں بھرپور تعاون فرمائیں گے۔

© rasailojarai

بقیہ: حرفِ اوّل

بڑھایا جائے' دلائل کے ذریعے مؤکد کیا جائے اور آج کی زبان اور اصطلاحات میں پیش کیا جائے تا کہ بالآخر احیاءِ اسلام کی راہ ہموار ہو سکے۔ مجوزہ شعبۂ تحقیق اسلامی کے سامنے جو مقاصد ہیں ان میں یہ کام بھی انتہائی اہمیت کا ہے۔

اسلام کے اس انقلابی فکر کی جہاں مدح وستائش اور قبولیت ہوئی وہیں اسے مختلف انداز میں مخالفت اور تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے۔ اس مخالفت اور تنقید میں ظاہر ہے کہ وہ حملے تو سرے سے قابلِ التفات نہیں ہیں جو اس فکر کو ایک potential danger سمجھتے ہوئے کبھی سرکاری اور کبھی غیر یا نیم سرکاری حلقوں کی جانب سے کئے گئے ہیں۔ البتہ بعض حلقوں کی طرف سے ایسی تنقیدیں اور اشکالات بھی پیش کئے گئے ہیں جو بظاہر علمی نوعیت کے ہیں' یا جن میں اعتراض کرنے والوں کا انداز ناصحانہ اور مخلصانہ ہے۔ ایسے اشکالات اور تنقیدوں کا علمی محاکمہ اور انکا جواب دینا اس انقلابی تحریک کی بہر حال ضرورت ہے۔ یہ شعبہ ان شاء اللہ اس مقصد کے حصول کے لئے بھی کام کرے گا۔

(۳) دینی وتحریکی آگاہی:

متذکرہ بالا احیائی وانقلابی فکر سے متأثر ہونے والے افراد میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو سوچنے سمجھنے والے بھی ہیں اور دنیوی اعتبار سے تعلیمیافتہ بھی۔ ایسے لوگوں کا ذہن متجسسانہ (inquisitive) ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انکے ذہنوں میں اُٹھنے والے سوالات اور اشکالات کا مدلل اور منطقی انداز میں جواب دیا جائے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے۔ انکی معاش' معاشرت' اخلاق' اور ترجیحات کو آج کے انتہائی مشکل دور میں کیسا ہونا چاہئے؟ دین کی دعوت کے کیا آداب ہیں؟ جماعتی زندگی کی کیا اہمیت ہے؟ تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس جیسے دوسرے سوالات اس قسم کے افراد کی حقیقی ضرورت ہیں' جسے پورا کرنا اس انقلابی فکر کے حاملین کے ذمّہ ہے۔ یہ شعبہ ان شاء اللہ ایسا نظام وضع کرے گا جسکے ذریعے علمی وعملی دونوں سطحوں پر دینی' تحریکی' فقہی اور دوسرے سوالات کے جواب دیئے جا سکیں۔

om